اسلام ہی مساوات کا حامی ہے

(از مولوی عبداللہ صاحب مبارکپوری متعلم جماعت چہارم مدرسہ رحمانیہ)

ناظرین کرام! مادر گیتی نے ایسے بہت سے بڑے بڑے اور جلیل القدر اصحاب پیدا کئے جنھوں نے قوم وملت کی بہت کچھ خدمتیں انجام دیں۔ اور اپنے لمحات زندگی کی یادگاریں ایسے ایسے کارہائے نمایاں چھوڑ گئے۔ جن کے نہ مٹنے والے نقوش صفحات تاریخ پر آج بھی یوں ہی روشن ہیں جس طرح اپنی پیدائش کے وقت میں تھے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان مصلحین اقوام اور رہنمایان ملت کی تعلیمات نے معاشرت انسانی کے اس اہم شعبہ کے متعلق کیا انقلابات پیدا کئے؟ جس کو آج ہم مساوات عامہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ سماج اور سوسائٹی کے اس غلط نظریہ کی کیونکر اصلاح کی؟ جس نے نسل انسانی کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے عالم میں فتنہ وفساد کا طوفان بپا کر رکھا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ آج تہذیب وتمدن اصلاح وتنور کے زمانے میں دنیا کی ہر قوم اپنے دین ومذہب کے دامن کو اس شرمناک دھبے سے پاک کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ اس کے یہاں مساوات کی تعلیم نہیں۔ لیکن دوستو! واقعات اور حقائق پر پردہ ڈالکر لوگوں کی آنکھوں میں خاک جھونکنا اور ہے۔ امتحان وتحقیق کی کسوٹی پر پورا اترنا اور ہے۔ پس آیئے! واقعات وشواہد حقائق وبراہین کی روشنی میں، میں آپ کو بتاؤں کہ سچی مساوات کا حامی کون ہے؟ اور کونسا مذہب ہے جس کا دامن اس جنس گراں مایہ سے بھی اسی طرح مالامال ہے۔ جس طرح اور بے شمار عطر بیز پھولوں سے پر ہے۔

حضرات! ہندوستان کی تاریخ پر عبور رکھنے والے اسبات سے انکار نہیں کر سکتے کہ ہندوستان میں بھی ایک دفعہ اخوت ومساوات کی آواز گونج چکی ہے۔ گوتم بدھ نے مذہبی، قومی، سیاسی حقوق میں مساوات پیدا کرنے کی غیر معمولی اور نہایت موثر کوشش کی تھی۔ اسی واسطے ہم گوتم بدھ کو قدیم ہندوستان کا مصلح اعظم کہہ سکتے ہیں۔ مہاراجہ اشوک کے زمانہ میں اس کے قائم کئے ہوئے مذہب کو بہت کچھ عروج حاصل ہوا ہے۔ مہاراجہ اشوک اور چندر گپت کے زمانے ہی سے ہندوستان میں شہنشاہی قائم ہو سکی۔ گوتم بدھ سے قبل اور اس زمانہ کی موجودہ حکومت کے زوال کے بعد مسلمانوں کی سلطنت قائم ہونے تک اس ملک میں ایسا تیرہ وتاریک زمانہ گذرا ہے کہ نہ یہاں کوئی سلطنت قائم ہو سکی اور نہ اخوت اور مساوات ہی باقی رہی۔

منو مہاراج کی تعلیم۔ اس وقت ہم کو اس بحث میں پڑنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ویدوں کے زمانہ کے عام اخلاق کیا تھے۔ لیکن اچھے اور برے کھرے اور کھوٹے حق وباطل کی تمیز اپنے اضداد سے ہوا کرتی ہے اس لئے مساوات کے متعلق جب تک دوسری مذہبی تعلیمات کا مختصر چربہ آپ کے سامنے نہ پیش کروں اس وقت تک حقیقت پوری طرح بے نقاب نہیں ہو سکتی۔

پس عرض ہے کہ ہندو مذہب کے روشن پہلو اور اعلیٰ اخلاق کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ قوائے ملکیہ اور بہیمیہ سے

مرکب ہے۔ اُسکی تعلیم یہ ہے کہ تارک الدنیا بنکر، تمام علائق دنیوی کو توڑ کر جنگلوں۔ پہاڑوں اور غاروں کی عمیق گہرائیوں میں تنہا ہوکر اپنی زندگی گذارے۔ اسی وجہ سے ہندوستان کی قدیم تاریخوں میں کسی جگہ ندہبیت اور جمہوریت کی کوئی قابل ذکر نشان نہیں ملتی۔ ہندوؤں کے چھوت چھات۔ چھتری۔ برہمن کی تقسیم نے ان کی اخلاقی۔ سیاسی۔ روحانی تنزل پر غیر معمولی اثر ڈالا۔ بلکہ ان کے تنزل کا اصل راز اسی میں تھا کہ ہندوستان کے "مقنن اعظم" منو مہاراج نے اپنے شاستروں میں برہمنوں کا اقتدار بڑھانے اور شودروں کے حقوق پامال بلکہ برباد کرنے کیلئے ایسے سخت سے سخت قوانین بنائے کہ ان سے بڑھکر شاید ہی بنی نوع انسان پر ظلم ہوا ہو۔ اور اس پر طرہ یہ ہے کہ وہ ایسے قوانین بناکر "مقنن اعظم" مشہور ہوئے اور افسوس تو یہ ہے کہ ہندوستان کی تاریک ذہنیتوں نے اس عظیم الشان خطاب کا ان کو مستحق بھی سمجھا۔ قوانین منوجی کے لحاظ سے شودر جہنمی ہیں۔ ان کا طبعی حق غلامی ہے۔ مالک کے آزاد کردینے پر بھی وہ آزاد نہیں کہلا سکتے۔ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے لئے ان کا چھونا تو کجا سایہ بھی ناپاکی کا باعث ہے۔ یہ شودر جن کی مٹی اس طرح پلید کی گئی تھی۔ وہ قوم تھی جو آریوں کے پیشتر ایران کی طرف سے آکر اس ملک میں اپنی باعزت زندگی آزادانہ طور پر گذار رہی تھی۔ جس طرح آج سفید چمڑے والی قوم ہندوستان پر قبضہ کرکے چاہتی ہے کہ کوئی صنعت وحرفت یا کسی قسم کا کمال ہندوستانی قوم کے ہاتھ میں نہ رہے۔ اس غرض کے پورا کرنے کیلئے اس نے ہر قسم کے جور وجفا کا استعمال بھی کیا اور آج تک کر رہی ہے۔ اسی طرح آریوں نے جب شودروں کو مغلوب کرکے اپنا محکوم بنایا تو انھوں نے ان کو اپنے علوم اپنے کمالات اپنے اخلاق سکھانا نہ چاہا۔ بلکہ ہر اعتبار سے ان کو پست وذلیل ہی رکھنا چاہا۔

ہاں آریوں اور مہذب انگریزوں کے درمیان اس امر میں صرف اتنا فرق تھا کہ انگریزوں نے عام نفع رسانی اور ترقی کے پردہ میں چھپ کر کالی قوم کو برباد کیا۔ اور آریوں نے علی الاعلان ایسے قوانین کو مذہبی امور مناکر ان کی تذلیل کیلئے مواد جمع کیا۔ اور شودر کا خطاب دیکر ان سے اس طرح خدمت لی جس طرح کوئی انسان کسی حیوان سے لیتا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق منوشاستر کے وہ ابواب جو برہمنوں اور شودروں کے حقوق کو واضح اور متعین کرتے ہیں کافی سے زیادہ شہادت دے رہے ہیں۔ منوشاستر کی رو سے برہمن کا کام شاستر پڑھنا اور پڑھانا ہے۔ اعلیٰ ذاتوں کی پروہتی کرنا اور تحائف لینا تھا۔ یہ خود دیوا اور ان کی عورتیں دیویاں کہلاتی تھیں۔ کوئی شودر پکی ہوئی روٹیاں چھودیتا تو نجس سمجھی جاتی تھیں۔ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں خواہ کسی ذات کی ہوں ذلیل سمجھی جاتی تھیں۔ شودروں کو وید سننے کی اجازت نہ تھی۔ اگر بلا ارادہ ان کے کان میں پڑھنے والے کی آواز پڑجاتی تو اس کو نہایت تکلیف دہ صورت سے بہرہ بنا دیا جاتا تھا۔ دنیا میں کوئی چیز شودر کی ملکیت نہ بن سکتی تھی۔ برہمن بڑے بڑے جرم کرکے بھی قابل قتل نہ ہوتا تھا۔ منوشاستر کے پانچویں باب میں صاف صاف کہا گیا تھا کہ شودر کو جھوٹا کھانا، پرانے کپڑے پہننا اور نکما اسباب رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی شودر کسی برہمن کے متعلق کوئی برا لفظ استعمال کرے تو اس کی زبان کاٹ لینی چاہیئے۔ اس لئے کہ وہ نیچی ذات کا آدمی ہے۔

آٹھویں باب میں مذکور ہے کہ اعلیٰ ذات کے آدمی کے برابر ان کے ساتھ نیچی ذات کا آدمی بیٹھے تو اس کی پیشانی

پر داغ لگا کر جلا وطن کر دینا چاہئے۔ یا راجہ اس کے پیٹھ سے ایک حصہ گوشت کا کاٹ ڈالے۔ کوئی برہمن اگر کسی شودر کو بلا وجہ قتل کر ڈالے تو اس کے قصاص میں برہمن قتل نہ کیا جائیگا۔ زیادہ سے زیادہ جرمانہ ادا کرنا ہوگا۔ جب شودر لوگ کسی راستہ یا گلی سے گذریں تو ان کے لئے لازمی تھا کہ ایک خاص قسم کی آواز لگاتے جائیں۔ تاکہ اعلیٰ ذات کے لوگ خبر پاکر بچ رہیں۔ اور شودروں کا ان پر سایہ نہ پڑے۔ غرض اسی قسم کے قوانین تھے جن کا کچھ کچھ مٹا ہوا نشان جنوبی ہند کے ہندوں میں پایا جاتا ہے۔

الغرض منوجی کے قوانین کے لحاظ سے ہندوؤں کی آبادی کا ایک حصہ حکماً مجبور ہے کہ اپنی زندگی وحشیانہ طریقہ پر گذارے۔ اور اس کے ساتھ نہایت ظالمانہ برتاؤ کیا جائے۔ ہندوؤں کی مذہبی تعلیم کا یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے جو چشم بصیرت رکھنے والے حضرات کو یہ دکھلا رہا ہے کہ ہندوؤں کے مذہب میں اخوت اور مساوات کی قطعاً گنجائش نہیں اور وہ انسانیت اور تمدن کا بالکل روادار نہیں۔ ہاں گاندھی جی اور دوسرے کانگریسی ہندو آج مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کا الو سیدھا کرنے کیلئے ہریجن تحریک کا بڑے زور شور سے پرچار کر رہے ہیں۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ یہ محض سیاسی چال ہے، مذہب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

عیسائی مذہب اور مساوات۔ ظہور اسلام سے قبل جو عیسائی مذہب کی حالت تھی۔ اور عیسائیوں نے جس طرح اخوت اور مساوات کو پامال کیا تھا۔ اس کے تصور سے سینہ میں دل اور دل میں درد رکھنے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی کے درمیانی حصہ میں قیصر قسطنطنیہ نے یہ حکم جاری کیا تھا کہ جو شخص بھی کیتھلک مذہب اختیار نہ کریگا اس کو سرکاری عہدہ نہ دیا جائیگا۔ جاڑدیں کے قیصر نے تیس ہزار یہودیوں کو صرف اسی وجہ سے جلا وطن کیا تھا کہ انھوں نے اپنا مذہب حکومت کے رعب سے مرعوب ہو کر بدلنا قبول نہ کیا تھا۔ یہودی یا غیر کیتھلک مذہب والے عیسائی بھی کوئی اپنی مذہبی رسم قیصر روم کی عملداری میں ادا نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی مذہبی کتب جبراً چھین کر جلا دیجاتی تھیں۔ تمام دنیا کے عیسائی علماء ۵۸۶ئہ میں اس بات کا فیصلہ کرنے کیلئے جمع ہوئے کہ عورت میں روح ہے یا نہیں۔

ناظرین! ملاحظہ فرمائیں کہ وہ قوم جو آج گویا عورتوں کی پوجا کرتی ہے اس کے آباء و اجداد میں عورت کیا حیثیت رکھتی تھی؟ کہ ان کے جاندار ہونے میں بھی مباحثہ کیا جا رہا ہے۔ بڑے مباحثہ اور بڑے غور و خوض کے بعد یہ بات طے پائی کہ عورت میں روح ہے۔ بڑے بڑے پادری پوپ اور بشپ جنت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ اور ان کے خلاف زبان اٹھانا بھی ان کے حق میں موت تھی۔ امیروں اور مذہبی سرداروں کی خوش طبعی کے لئے عوام کو ہلاک کرنا اور شیروں سے لڑوانا معمولی باتیں تھیں۔ محکوم لوگوں کو جانوروں سے زیادہ مرتبہ حاصل نہ تھا۔ عیسائی یہودی مجوسی وغیرہ مذاہب اور ایرانی اور یونانی آدمی وغیرہ قوموں پر اگر نظر کی جائے تو ان کی اخلاقی حالت ہندوؤں سے بھی بدتر نظر آتی ہے۔ لیکن ہمکو تمام مذاہب اور اقوام کی حالت کا مفصل تذکرہ کرنا مقصود نہیں اس وقت تو ہم کو صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اس معاملہ میں ہم کو اسلام کیا تعلیم دیتا ہے۔

اب ذرا مذہب اسلام کی تعلیمات پر غور کریں کہ اس نے اخوت اور مساوات کی کتنی اعلیٰ اور بے نظیر تعلیم دی ہے

مذہب اسلام ہی وہ مذہب ہے جنے تکبر اور نخوت کی دیوار کو پاش پاش کر دیا۔ اور اخوت و مساوات کا جھنڈا لہرایا۔ اور صاف صاف لفظوں میں یہ اعلان کر دیا۔ لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی یعنی کسی عربی النسل کو کسی عجمی النسل پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی تفوق اور فضیلت حاصل نہیں اگر معیار فضیلت کوئی چیز ہو سکتی ہے تو وہ تقویٰ اور دینداری ہے۔

ہر امیر و غریب رومی زنگی کو دینی حیثیت سے ایک ہی مرتبہ حاصل ہے۔ اسلام نے صرف مساوات کی تعلیم ہی نہیں دی بلکہ اس کو عملی جامہ پہنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ چنانچہ مروی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قبیلہ قریش کی ایک عورت کے متعلق چوری کا جرم ثابت ہو گیا آپ نے بحکم اسلامی قانون اس کا ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کر دیا۔ ایسے شریف قبیلہ کی عورت سے ایسے قبیح فعل کا سرزد ہونا اور پھر ہاتھ کا ٹکر ہمیشہ کے لئے داغدار کر دینا کچھ کم باعث عار و ننگ نہ تھا۔ اس لئے قریش نے دربار رسالت میں سفارش کرنے کیلئے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا جو اللہ کے رسولؐ کے نزدیک محبوب تھے یعنی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما۔

جب حضرت اسامہؓ سفارش کی غرض سے دربار نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ اور اس عورت کے بارے میں اپنی سفارش پیش کی تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ سے فرمایا " اتشفع فی حد من حدود اللہ" یعنی اے اسامہؓ کیا تم اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں سفارش کرتے ہو" اور اسی پر بس نہیں فرمایا بلکہ ایک بسیط خطبہ دیا جن کے الفاظ یہ ہیں۔ انما اھلك الذین قبلکم انھم کانوا اذا سرق فیھم الشریف ترکوہ واذا سرق فیھم الضعیف اقاموا علیہ الحد وایم اللہ لوان فاطمۃ بنت محمد سرقت لقطعت یدھا یعنی پہلے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی شریف آدمی چوری کرتا تو وہ اس کو چھوڑ دیتے اور اس پر قطع ید کا حکم جاری نہ کرتے۔ اور جب کوئی غریب چوری کرتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ آپ قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ اگر میری بیٹی فاطمہؓ (اعاذھا اللہ) بھی چوری کرتی تو واللہ میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔ اسلام میں اس قسم کے واقعات بہت ملیں گے۔

غزوۂ ذات الرقاع کے موقعہ پر سواریاں بہت کم تھی۔ ایک ایک اونٹ تین تین شخصوں کے لئے منقسم کیا گیا تھا۔ دو شخص سوار ہوتے اور ایک شخص پیدل چلتا۔ اسی طرح ہر شخص نوبت بنوبت پیدل چلا کرتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری میں حضرت علی مرتضیٰؓ اور ابو الدرداءؓ کا حصہ تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی نوبت آتی تو حضور پیدل چلتے اور وہ دونوں سوار ہوتے۔

دیکھنا یہ ہے کہ لشکر میں جو کوئی بھی تھا وہ اپنی جان و مال حضورؐ پر فدا کرنیوالا۔ اور اس فدائیت ہی کو اپنا عز و شرف جاننے والا تھا۔ پھر وہ کیونکر گوارا کرتے تھے کہ حضورؐ پیدل چل رہے ہوں۔ اور دوسرے لوگ جنکی باری تھی اونٹوں پر سوار ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا رسولؐ اس موقعہ پر سب کو مساوات کا سبق دیر ہا تھا اور الامر فوق الادب کا نظارہ جلوہ آرا تھا

ایک مرتبہ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کی خود (جنگ کے موقع پر پہننے کے لئے لوہے کی ٹوپی) اونٹ سے گر کر کھو گئی تھی۔ حسن اتفاق سے آپ کو گم شدہ خود ایک یہودی کے ہاتھ میں نظر آئی آپ نے اسے دیکھکر فوراً پہچان لیا۔ اور آپنے فرمایا کہ

یہ میری خود ہے اونٹ سے گر کر کھو گئی تھی انہیں کہاں سے ملی ؟ اس یہودی نے جواب دیا واہ یہ تو میری خود ہے اور بالفعل میرے قبضے میں ہے۔ معاملہ کے طول پکڑنے کے خوف سے یہودی نے کہا کہ ہم دونوں کا حاکم مسلمان ہے مقدمہ حاکم وقت کے پاس دائر کرنا چاہئے حاکم وقت جو فیصلہ دیگا مجھے منظور ہوگا۔ چنانچہ مدعی اور مدعا علیہ حاکم وقت حضرت شریحؒ کے پاس بغرض تصفیہ عدالت میں حاضر ہوئے۔

حضرت شریحؒ نے پوچھا اے امیرالمومنین کس وجہ سے عدالت تک قدم رنجہ فرمائی کا اتفاق ہوا۔ امیرالمومنین نے فرمایا کہ یہ خود جو یہودی کے ہاتھ میں نظر آرہی ہے۔ میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں یہ میری ہی خود ہے اونٹ سے گر کر کھو گئی تھی۔ جسے یہودی نے اٹھالی ہے۔ لیکن مدعی علیہ اس کا منکر ہے۔ قاضی شریحؒ نے یہودی کا اظہار طلب کیا۔ اس نے کہا کہ یہ میری ذاتی خود ہے۔ کہیں مجھسے کھوئی ہوئی نہیں ملی ہے۔ اس کے بعد قاضی نے حضرت علیؓ سے قسم کھا کر کہا کہ آپ بالکل سچ فرمارہے ہیں۔ یہ خود آپ ہی کی ہے۔ لیکن قانون شریعت کی رو سے آپ کو دو شاہد پیش کرنے چاہئیں۔ امیرالمومنینؓ نے اپنے صاحبزادے حضرت حسنؓ اور اپنے آزاد کردہ غلام قنبر کو شہادت میں پیش کیا۔ دونوں گواہوں نے حضرت علیؓ کی خود ہونیکی قطعی شہادت دی۔ قاضی شریحؒ نے حضرت امیرالمومنینؓ سے کہا کہ آپکے غلام قنبر کی شہادت تو معتبر ہوجائے گی لیکن آپ کے صاحبزادہ حضرت حسنؓ کی شہادت آپ کے متعلق شرعاً نہیں مانی جاسکتی۔ یہ سنکر حضرت علیؓ نے فرمایا کیا آپ کو معلوم نہیں کہ بانی شریعت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنین کے متعلق سیدا شباب اہل الجنۃ (یعنی یہ دونوں جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں) کی بشارت دی ہے۔ قاضی نے جواب میں کہا جی ہاں میں نے سنا ہے حضرت علیؓ نے کہا تو پھر ان کی شہادت میرے متعلق کیوں معتبر نہیں ہوسکتی ؟ قاضی نے کہا کہ شریعت اسلام کا قانون یہی ہے کہ بیٹے کی شہادت باپ کے لئے معتبر نہیں یہ کہنے کے بعد خود کو اٹھا کر یہودی کے حوالہ کردی۔ یہودی کا بیان ہے کہ امیرالمومنین مسلم قاضی کے پاس تشریف لائے تھے۔ لیکن اسلام کا انصاف دیکھو کہ ڈگری میرے حق میں ہوئی۔ خوش ہوکر اب اس نے حقیقت واقعہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ واقعی یہ خود اونٹ سے گری ہوئی ملی تھی اور یہ حضرت علیؓ ہی کی ہے۔ قاضی کے اس منصفانہ فیصلے سے وہ ایسا متاثر ہوا کہ فوراً کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خود واپس دیدی اور آپ ہی کے ہمراہ جنگ صفین میں شہید بھی ہوا۔

حضرات! ان تمام واقعات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں دوست اور دشمن یگانہ و بیگانہ سب کے ساتھ عدل و انصاف کا حکم ہے۔ کسی کے ساتھ بھی ناانصافی جائز نہیں۔ ادہر قانون منو میں شودر اور برہمن میں کوئی برابری نہیں اور ادہر قرآن شریف میں النفس بالنفس الخ فرماکر مساوات قائم کی گئی۔ دوسرے موقعہ پر اَلْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی الخ فرماکر کسی قاتل کے لئے کوئی جائے پناہ نہ رکھی۔ اگر کوئی سید بھی کسی مسلمان کو قتل کریگا تو اس سے ضرور قصاص لیا جائیگا۔ یہی نہیں کہ یہ احکام فقط لکھے ہوئے ہوں اور اس پر عمل نہ ہوا ہو۔ بلکہ قرآن کا ہر ہر حرف مسلمانوں کی زندگی کا دستور العمل بن چکا ہے۔

ایک مرتبہ سفر میں کھانا پکانے کیلئے کام تقسیم ہوا اس میں سب کے آقا شاہ کونین بھی موجود تھے۔ انھوں نے اپنے ذمہ لکڑیاں لانے کا کام لیا۔

خلیفۂ چہارم امیرالمومنین حضرت علیؓ کو مدعی بنکر مدعا علیہ کے سامنے کھڑا ہونا پڑا۔ اسلام میں ایسے بہت سی سلاطین گذرے ہیں کہ ایک معمولی آدمی کے دعوے دائر کردینے پر عدالت میں آکران کو کھڑا ہونا پڑا ہے۔

ہمارا سردار ہم میں کا ایک فرد ہے۔ اگر ہمارے مذہب کی کتاب اور ہمارے پیغمبر صلعم کے طریقہ کی پیروی کرے تو ہم اس کو اپنا سردار باقی رکھیں۔ اور اگر اس کے سوا کسی اور چیز پر عمل کرے تو ہم اس کو معزول کردیں۔ اگر وہ چوری کرے تو ہاتھ کاٹیں۔ اور اگر زنا کرے تو سنگسار کردیں۔ وہ بھی حدود الٰہیہ میں ہمارے ہی جیسا رتبہ رکھتا ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ پر ایک معمولی سی بدگمانی کی وجہ سے مجمع عام میں ایک شخص نے اعتراض کیا۔ اور کہا کہ جبتک اس پورے سوال کا جواب نہ دینگے ہم آپ کی تقریر ہرگز نہ سنیں گے۔

فاروق اعظم کی حکومت تیں لاکھ مربع کے رقبہ پر تھی۔ اسقدر وسیع سلطنت کے فرمانروا اور اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ طاقتور بادشاہ کو کسی شخص نے کسی مرض کیلئے شہد بتایا۔ آپ کے یہاں شہد نہ تھا اور کسی جگہ بھی نہ مل سکا۔ البتہ بیت المال یعنی سرکاری خزانے میں شہد موجود تھا۔ لوگوں نے کہا کہ اس کا استعمال کریں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تو تمام مسلمانوں کا مال ہے۔ جب تک تمام اجازت نہ دینگے میں ہرگز استعمال میں نہیں لاسکتا۔ یہ ہے اسلام میں انسانی مساوات کا مرتبہ رفیع جسکو دشمنان دین داغدار بنانیکی کوشش کرتے ہیں مگر ناکام رہتے ہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں مَیں بلند آواز سے کہونگا کہ مساوات اسلام کی خصوصیات سے ہے اور اسلام ہی مساوات کا حامی ہے۔

طوفانِ غم

اللہ انھیں گلشن جنت بخشے — دل شاد ہوں ہر آن عطاء الرحمٰن
رکھتے تھے وہ اسلام کا صادق جذبہ — تھے سچے مسلمان عطاء الرحمٰن

ہے مسرت کے چمن پر اک خزاں چھائی ہوئی — پتی پتی غنچۂ دل کی ہے مرجھائی ہوئی
باغ عالم میں وہ اگلی سی ادا باقی نہیں — وہ ہوا باقی نہیں ہے وہ فضا باقی نہیں
کس کے غم میں ہیں درودیوار سب ماتم کناں — کس کی فرقت میں عنادل آج ہیں محو فغاں
پارہ پارہ ہو رہے ہیں کس لئے قلب و جگر — محو رنج و غم نظر آتا ہے کیوں اک اک بشر
میں انھیں سب وسوسوں میں تھا پریشاں سرنگوں — اک صدائے دل خراش آئی کچھ ایسی کیا کہوں
کان میں آکر مرے فوراً کسی نے یہ کہا — اٹھ گیا دنیا سے ملت کا نگہباں اٹھ گیا
آہ وہ جود و کرم کا بحر ناپیدا کنار — دے گیا داغ جدائی لے گیا صبر و قرار
کیا کہوں کیا کیا محاسن رکھتے تھے شیخ عطاؔ — جذبۂ ملت سے ہر دم جس کا دل مخمور تھا
خدمت قومی و ملی خاص تھا جس کا شعار — سُن کے ہوجاتا تھا غمگیں قوم کا جو حال زار
جس کو تھا ہر آن پاس خدمت علم حدیث — جس کا شاہد آج بھی ہے "گلشن علم حدیث"
جوش جس کے دل میں ہر دم خدمت دیں کا رہا — راہ ملت کا ہمیشہ جس نے ہر صدمہ سہا
آہ وہ خلق مجسم آج ہے نظروں سے دور — مدح اس کی ہوسکے مجھ سے کہاں مجھ میں شعور
آج گو دنیا کی نظروں سے ہے وہ ہستی نہاں — ہے زباں پر نام اس کا دلمیں ہے اسکا نشاں

طالبؔ محزوں دعاگو ہے خدا سے صبح و شام
باغ جنت میں عطاؔ کو ہو عطا اعلیٰ مقام

عبدالرحمٰن طالبؔ اعظمی